مولانا رومی کا خطاب...... کے نام

صبح بخیر

☆☆☆

ڈاکٹر صفدر محمود

safdar.mehmood@janggroup.com.pk

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ مولانا جلال الدین رومی (1207-1273) ایک عظیم روحانی شخصیت، مذہبی سکالر، فلاسفر اور شاعر تھے اور علامہ اقبال انہیں اپنے مرشد کا درجہ دیتے ہیں۔ مولانا رومی کی مثنوی ایک ایسی زندہ کتاب ہے جو قیامت تک باقی رہے گی اور یہی وجہ ہے کہ بعض سکالرز مولانا رومی کی مثنوی کو "پہلوی قرآن" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ (مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن درزبان پہلوی۔)

مولانا رومی نے مثنوی میں ایک نہایت دلچسپ کہانی بیان کی ہے جو گزشتہ کچھ عرصے سے مجھے بہت یاد آتی ہے اگرچہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اب ان کہانیوں کے سنانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ باتیں جن کو سمجھنی چاہئیں، ان تک نہ ہی ہمارا پیغام پہنچتا ہے اور نہ ہی ان پر ہماری فریاد اثر کرتی ہے۔ بہرحال مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ایک گاؤں کی مسجد میں ایک موذن تھا جس کی آواز بہت بھدی تھی۔ چنانچہ وہ بڑے کرخت اور بھونڈے انداز سے اذان دیا کرتا تھا۔ گاؤں کے لوگ اس کی بھونڈی اذان سے بہت تنگ تھے لیکن اسے کچھ کہنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ گاؤں کے سیانوں اور بزرگوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ اس موذن سے خلاصی حاصل کرنے کا ایک ہی مہذب طریقہ ہے کہ اسے حج پر بھیج دیا جائے۔ اس زمانے میں لوگ پیدل یا گھوڑوں، اونٹوں پر قافلوں کے ساتھ حج کیا کرتے تھے اور آنے جانے میں طویل عرصہ لگ جاتا تھا۔ گاؤں کے لوگوں نے چندہ کر کے زادراہ اکٹھا کیا اور موذن کو معقول رقم دے کر کہا آپ حج کر آئیں۔ موذن بہت خوش ہوا کہ اسے آیا ہے بلاوا دربار نبی سے...... چنانچہ اس نے جلدی جلدی اپنے گھریلو معاملات نپٹائے اور حج کے لئے چل پڑا۔ طویل سفر کے دوران دریاؤں ندیوں کو عبور کر کے کئی آبادیوں سے ہوتا ہوا وہ ایک شام ایک گاؤں میں پہنچا اور اس زمانے کی روایت کے مطابق مسجد میں قیام پذیر ہوا۔ نماز کا وقت ہوا تو اس نے مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اذان دی۔ اتنے میں امام صاحب بھی تشریف لے آئے اور نمازی بھی اکٹھے ہو گئے۔ حسب روایت گاؤں کے لوگوں نے اس کی مہمان نوازی کی۔ نماز کے بعد بہت سے نمازی تو رخصت ہو گئے لیکن ابھی امام مسجد اور چند ایک نمازی مسجد میں موجود تھے کہ اس گاؤں کا ایک رئیس شخص مسجد میں داخل ہوا جسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے کیونکہ اس کا تعلق زرتشت مذہب سے تھا۔ وہ شخص آگے بڑھا اور موذن کا پُر جوش استقبال کر کے اپنا بیگ کھولا۔ اس نے بیگ میں سے انتہائی قیمتی تحائف نکالے اور مہمان موذن کی خدمت میں پیش کر دیے۔ امام مسجد اور نمازی یہ دیکھ کر حیرت میں گم ہو گئے کہ ایک زرتشتی ایک مسلمان موذن کو اتنے قیمتی تحائف پیش کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکے کہ آپ اس شخص پر اتنے مہربان کیوں ہو گئے ہیں۔ اس نے جواباً کہا کہ میری بیٹی اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونا

چاہتی تھی۔ ایک عرصے سے ہمارے گھر میں جھگڑا جاری تھا اور نہ ہی صرف میں بلکہ میرا سارا خاندان اس پر دباؤ ڈال رہے تھے اور سمجھا رہے تھے لیکن وہ اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرنے پر بضد تھی۔ وہ اذان کو ہر روز بڑے غور اور جذبے سے سنا کرتی تھی۔ آج اس شخص کی اذان سن کر اس نے فیصلہ بدل لیا ہے اور وہ واپس ہمارے مذہب میں آگئی ہے۔ اس لئے ہم اس کے نہایت احسان مند ہیں اور اس کے احسان کا قرض چکانے کے لئے قیمتی تحائف لے کر حاضر ہوئے ہیں۔

اب آپ پوچھیں گے کہ مجھے آج کل مولانا رومی کا بیان کردہ یہ قصہ اور سدا بہار سچائی کیوں یاد آرہی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ میں جب بھی پاکستان میں مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر خودکش حملے اور بم دھماکوں کی تفصیلات پڑھتا ہوں تو مجھے مولانا رومی کی حکمت کے شہ پارے یاد آتے ہیں۔ کل ایک خودکش حملے میں لیفٹیننٹ جنرل سرجن ڈاکٹر مشتاق بیگ شہید ہو گئے جو نہایت نیک، پابند صوم وصلوٰۃ اور حافظ قرآن تھے اور یہ خودکش حملہ ایک سولہ اٹھارہ سالہ نوجوان نے کیا جس کا تعلق بھی مذہبی بیک گراؤنڈ سے ہوگا۔ وہ صبح سے راولپنڈی کی ایک اہم شاہراہ پر بیٹھا کسی وردی کا منتظر تھا کیونکہ بظاہر اس کا نشانہ صرف وردی تھا لیکن اسے کیا معلوم کہ اس وردی میں ملبوس ایک ایسا شخص تھا جس کا قلب قرآن سے منور تھا۔ میں اس خبر کو پڑھ کر رونے لگا اور ہاتھ اٹھا کر دل ہی دل میں اپنے خالق حقیقی سے پوچھنے لگا کہ خدایا میرے ملک کو کیا ہو گیا ہے اس پر کس کا منحوس سایہ پڑ گیا ہے۔ یہ دنیا کا محفوظ ترین ملک اب کیوں غیر محفوظ ترین ہو گیا ہے؟ خدایا میرے ملک کے مسلمان اسلام سے شدید محبت کرتے ہیں کیا انہیں معلوم نہیں کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے غیر مسلموں کو اسلام سے دور کر رہے ہیں اور تیرے دین سے لوگوں کو بدظن کر رہے ہیں......!!

مغربی ممالک میں چھپنے والی کتابوں اور سروے رپوٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ نائن الیون کے واقعہ کے بعد اگرچہ امریکی اور یورپی میڈیا نے اسلام کے خلاف نفرت سے زہر آلود مہم کا آغاز کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود عام لوگوں کی اسلام میں دلچسپی بہت بڑھی ہے۔ نائن الیون کے واقعہ کے بعد امریکہ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن حکیم تھی اور ایک سروے رپورٹ کے مطابق اس واقعے کے بعد صرف امریکہ میں چونتیس ہزار عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ یہی صورت دوسرے یورپی ممالک میں ہے۔ چند روز قبل میری ایک مسلمان دانشور سے بات ہو رہی تھی جو گزشتہ دو دہائیوں سے یورپ میں آباد ہے۔ اس نے بڑے دکھ اور افسوس سے کہا کہ "جب سے اسلامی دنیا اور خاص طور پر پاکستان میں خودکش حملوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے، امریکی اور یورپی اسلام کو شدت پسندی اور دہشت گردی کا مذہب سمجھنے لگے ہیں اور اسی طرح اسلام سے دور ہو رہے ہیں جس طرح مولانا رومی کے قصے میں زرتشت مذہب سے تعلق رکھنے والی لڑکی ایک موذن کی اذان سن کر اسلام سے دور ہو گئی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ مظلوم فلسطینیوں کے یہودیوں پر خودکش حملے تو لوگوں کے لئے قابل فہم تھے لیکن پاکستان میں مسلمانوں کے مسلمانوں پر خودکش حملوں سے مغرب میں اسلام کے حوالے سے بدگمانیاں جنم لے رہی ہیں۔ ہندوستان کے بیس ہزار مسلمان سکالروں نے دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے اسے غیر اسلامی قرار دیا ہے اور یہی موقف سعودی عرب سے لے کر پاکستان تک بھی علماء کا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ خدارا خودکش حملے اور بم دھماکے کرنے والوں کو سمجھاؤ کہ تم اپنے اعمال سے اللہ کے امن پسند دین کے بارے میں لوگوں کو گمراہ کر رہے ہو اور تمہارا ٹھکانہ جنت نہیں، جہنم ہے۔"

اور میں بیٹھا سوچ رہا ہوں کہ میں انہیں کیسے سمجھاؤں؟